

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اشارات

ایک مسلم خاتون کا کہہ دار کیا ہونا چاہیے؟ مسئلہ صاف اور سادہ سا تھا مگر اس کی ڈوریاں بڑی طرح الجھ گئی ہیں۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کے لیے اپنے خاص عقاید و اقدار اور اصول و احکام رکھتا ہے، لہذا جو بھی اسے قبول کرے گا — خواہ وہ حاکم ہو یا شہری، استاد ہو یا شاگرد، دولت مند ہو یا غریب، مستاجر ہو یا اجیر، مرد ہو یا عورت — اُس کا کہہ دار دنیا کے بنائے ہوئے مختلف معاشروں سے ایک اور امتیازی ہوگا۔ اگر یہ امتیازی شخص نہیں ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو ٹھیک طرح سمجھ کر اُس سے ہم آہنگی پیدا نہیں کی گئی۔ جو طریقہ اگر وہ ملت اسلامیہ سے منسوب ہونے کے باوجود غیر اسلامی تہذیب و معاشرت سے تمام آداب و اطوار لیتا ہے اور سرسبز تقلید و مرعوبیت ہو جاتا ہے اور خود اس پوزیشن میں نہیں رہتا کہ وہ بیرونی دنیا کو کچھ نئے انداز و اسالیب دے سکے تو یہ بڑے خسارے کا معاملہ ہے۔

شاید میری کوتاہ نظری ہوگی کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ہماری ماڈرن خواتین اور ان کی تعلیم "اپوا" نے کبھی کسی مغربی طور طریقے کو خلافِ اسلام سمجھ کر اُس کے خلاف آواز اٹھاتی ہو، کبھی ایمانی اور اخلاقی لحاظ سے خواتین کی تربیت کے لیے کوئی خاص کلام کیا ہو، کبھی کسی خلافِ دین رواج یا تقریب یا ادارے کے خلاف احتجاجی قرارداد پاس کی ہو، کبھی اُن کا کوئی وفد اس

مقصود سے کسی حاکم سے ملا ہو کہ ہم فلاں اسلامی خدمت کرنا چاہتے ہیں، اس میں ہماری مدد کی جائے۔ کبھی پیش کش کی ہو کہ نماز یا زکوٰۃ یا کسی اور سلسلے میں جو اقدامات کیے جا رہے ہیں، ہم اُن کو کامیاب بنانے کے لیے اپنا تعاون پیش کرتے ہیں، کبھی ایسا نہیں ہو کہ فلم، ریڈیو یا ٹیلی وژن پر نسلیت کا کوئی گھٹیا روپ سلسلے آنے پر یا سرمایہ کے زور سے خواتین کے چہروں، بدنوں اور جسموں کی مغرور و فروخت پر اپوا کی بیگمات نے کوئی مظاہرہ کیا ہو۔

لے دے کے اپنی ملازمتوں کے مساویانہ حق اور اس حق کے ساتھ کسی طرح کی حدود و قیود کو مسترد کرنے پر اپوا زادیاں اُٹھ کھڑی ہوں تو معنی یہ ہوتا ہے کہ جو ترازو آپ کے ہاتھ میں ہے، اُس کا صرف اپنے مفاد کا پلٹا آپ بھرنے چاہتی ہیں، فرائض اور ذمہ داریوں اور پابندی حدود کا پلٹا چونٹتیس برس سے خالی ہے۔ ایسی ترازو کے ساتھ آپ سے کون عدل یا اعتدال کی امید رکھے گا۔

اس ملک میں بڑی لمبی دستوری جدوجہد ہوتی رہی، کبھی آپ نے اسلامی اصول دستور کے لیے کوئی آواز اٹھائی؟ یہاں قرارداد مقاصد پاس ہو، آپ نے کوئی دلچسپی لی؟ یہاں لوگ آمریتوں تلے پستے رہے، کبھی آپ نے زخم کھانے والی قوم سے کوئی ہمدردی کی؟ یہاں فحاشی نے بار بار زور باندھا۔ اور اس وقت بھی غیر ملکی عریاں تصاویر، کراہیے کے گھٹیا ناولوں اور وی۔سی۔ آر کے پیرائے میں بیوقوفوں کی ذبا عام ہو رہی ہے، کبھی آپ نے عورتوں سے تعلق رکھنے والی اس تباہ کن مہم کا نوٹس لیا؟ رکاوٹوں کے شکلیں میں جگہ جگہ عورتوں کے مجسمے سجے جاتے ہیں۔ جن میں اُن کے قابل اغماض حصے جسے کو اُجھارا گیا ہے، کبھی آپ نے محسوس کیا کہ یہ عورت کی توہین ہے اور اس لحاظ سے خود آپ کی تحقیر؟ اور پھر کیا کبھی کسی سے یہ مطالبہ کیا کہ عورت کا یہ تاجرانہ استعمال ختم کر دیا جائے؟

آپ کا سارا زور دوہی باتوں پر ہے، ایک پردے بلکہ چادر دوپٹے کی پابندیوں نہ ہوں اور دوسرے مردوں کے ساتھ مخلوط تعلیم، مخلوط تقاریب، مخلوط دفتری زندگی اور دوسری سرگرمیوں میں

دوش بدوش ہو کر رہنے کا حق تسلیم کیا جائے۔ اور اس پر یہ بھی اصرار کر یہ عین اسلامی اسلوب ہے اور قرآن اسی کی پشت پناہی کرتا ہے۔ اگر کوئی مفسر یا مولوی اس اجتہادی نقطہ نظر کو نہ ملتے تو وہ ملتا ہے، (اور مغربی استعماریوں نے اس لفظ کو گودن اور احمق کے معنی کا جامہ پہنایا ہے) اُسے بولنے کا حق نہیں، خصوصاً ہمارے شوہروں کے ذریعہ استہام چلنے والے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے دروازے تو اُس کے لیے قطعاً بند ہونے چاہئیں۔ کاش کہ ایوان کی یگمات میں یہ صلاحیت ہوتی کہ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر قرآن و حدیث کا درس دینے کا اجارہ سنبھال لیتیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قرآن و حدیث کی دنیا میں داخل ہونے والے کو یہ مشکل پیش آتی ہے کہ اگر وہ کس ایک جگہ کوئی ٹیڑھی بات کر بھی لے تو آگے چل کر دوسری آیات و روایات اُس کا راستہ روک دیتی ہیں۔ قرآن کا یہ خاصہ ہے کہ جو اس سے ہم آہنگی کرے نہ کرے، اُسے وہ اُٹھا کے اپنی دنیا سے باہر پھینک دیتا ہے اور جو اس کے اندر رہنے پر اصرار کرے اُسے وہ آہستہ آہستہ اپنے سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ خصوصاً درس دینے والے لوگ تو اگر آیات کے ساتھ سامعین کے روبرو کھیلتے ہیں تو فوراً پکڑے جاتے ہیں۔ کوئی ادبیت اور لطافت اُن کو نہیں بچا سکتی۔ پس یگماتِ کرام! ہمت ہو تو ذرا قرآن سے معاملہ کر کے دیکھیے، یہ نہیں کہ ایک آدھ آیت یا اس کا کوئی حصہ لیا اور اس پر سارا اجتہاد کھڑا کر دیا۔ آخریوں رائی سے پرہیز کب تک بنائے جاتے رہیں گے۔

ابتدائی سطور میں جو بات میں نے اجمالاً لکھی اُس کی قدر سے وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ — مسلم عواقر کی کسی پاکستانی تنظیم کی بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ جہاں دُورِ جہود کے اثرات اور ہندو معاشرت کی مسلط شدہ رسوم کو مٹانے کی فکر کرے، وہاں مغربی تہذیب کے ان فاسد اثرات سے ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کو نجات دلانے کی زیادہ سعی کرے جن کا نفوذ اگر بری اقتدار کے ساتھ شروع ہو کر حصولِ آزادی تک ہی خاصا زور پکڑ چکا تھا۔ اور اب تو ان فاسد اثرات کے برگ و بار بڑے زور شور سے نمودار ہو رہے ہیں۔ اس ذمہ داری کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مسلم عورت کا کردار اس طرح پیش کیا جائے کہ جدید تمدن تہذیب کے بنائے ہوئے معاشرے

کے تصورِ نسائیت سے ہمارا تصورِ نسائیت جداگانہ شکل میں ممیز ہو۔ ہم اصولوں میں اور تفصیلات میں راہِ حق سے ہٹتی ہوئی دنیا کو یہ بتا سکیں کہ ہم ایک مختلف قسم کے معاشرے اور ایک مختلف قسم کی تہذیب کے نمائندہ لوگ ہیں اور ہمارے تنہا سے راستے ایک نہیں ہیں۔ یہ پست مقام مسلمانوں کا نہیں ہے کہ وہ اپنے دور کے مقلد بن کر ہر شے اس سے قبول کرنے والے ہوں بلکہ ”بید علیا“ کے ساتھ اسے زیادہ بہتر اقدار دینے والے ہوں۔

بتایا جائے کہ آپ لوگوں نے دنیا نے بے اسلام کو کیا پیغام اور کیا تحفہ نسائیت کے دائرے میں مہیا کیا ہے؟ اگر کچھ نہیں تو پھر آپ وقت کے طوفانی دریا کے تندریلوں کی گرفت میں آکر بے بس ہیں کہ عالمی مروجات اور پروپیگنڈا جلدھر آپ کو بہائے لیے جارہا ہو۔ ادھر اس نشہ آور تصور میں بہتی رہیں کہ ہم ترقی کر رہے ہیں۔

واضح رہے کہ وقت کے دھاروں میں بے اختیار نہ طور پر اس طرح بہنے اور غوطے کھانے والوں کے لیے اسلام کے پاس سرے سے کوئی دعوت اور کوئی پیغام اور کوئی حکم نہیں ہے۔ اسلام تو ان لوگوں کو اپناتا ہے جو اسلامی نایات کے مطابق وقت کے دھارے کا رخ بدلنے کے لیے مہم اٹھا سکیں۔ اسی لیے وہ دینِ جہاد ہے۔ کلمہ اول سے لے کر مرحلہ آخر تک جہاد جس کسی کو جہادِ اسلام کے مقاصد اور اس کی تحریک کا شعور ہی نہ ہو، اسے اس تکلف بے جا کی کیا ضرورت کہ وہ اسلام سے باہر کی باتیں چھیڑتے ہوئے بلا کسی شعور کے اسلام کا نام لے یا اس کے بنیادی نوشتے کی کسی آیت کے کسی جہاد کو اچھا لے۔

اسلام آپ کے دفتر میں ہر لگانے والا کرک نہیں ہے کہ جو چیز آپ کو پسند آجائے اور جو فیصلہ آپ کر لیں، آپ کا اشارہ ابد ہوتے ہی وہ اس پر کھٹ سے ہر لگا دے اور نہ لگائے تو آپ جلوس لے کر مظاہرہ کرنے چڑھ دوڑیں اور محبِ دین افراد کو ملا کہہ کر جبہ اجلا کہنا شروع کر دیں۔

یہ غلط کھیل بہت عرصے سے اپنے مختلف اذیت رسا مناظر دکھا چکا ہے۔ خدا را اب بساطِ سمیٹے اور غلبہ دین کا کام کرنے والوں کو کام کرنے دیجیے۔ یہ کھیل جو معاشرے کی اکثریت کو ایمانی موقف سے ہٹانے میں ناکام ثابت ہوا ہے، اب ہر ذہین آدمی کو

بورہ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی دوسرا کہ تب شروع کیجیے۔

مشکل یہ ہوئی کہ آپ لوگوں نے کسی ناپسندیدہ نقطہ نظر پر دلائل سے بات کرنے کے بجائے ایسی ٹیشن اور دباؤ ڈالنے کا طریقہ اختیار کیا۔ ٹیلی وژن کے خلاف برسرعام آپ کا مظاہرہ خلاف قانون بھی تھا، اور یہ آپ کے غیر ذمہ دارانہ پن کا ثبوت ہے کہ آپ نے تعلیم یافتہ ہو کر بھی نہیں، انتظامیہ کے کارپورایزوں کی بیگمات ہوتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی، جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے جذبات قانون کی حدود کی پابندی قبول نہیں کر سکتے۔ کجا کہ اسلام کے اصول و احکام کی پابندی!

آپ نے ذمہ نون کو بدلنے کی استدلالی محنت سے کام نہیں لیا۔ قرآن کی بات غصی تو آپ قرآن کی آیات سے مدد لیتیں۔ احکام رسالت کا ذکر چلا تھا تو آپ اپنے حق میں سنت نبویؐ اور احادیث پاک کو لاتیں۔ آپ حضورؐ کی تیار کردہ سوسائٹی کے ثابت شدہ معمولات کو اجاگر کرتیں، خلفائے راشدینؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے طرز عمل اور خود امہات المومنینؓ اور صحابیات محترمات کے قائم کردہ نمونوں کو پیش فرماتیں۔ اور آپ امہ فقہاء کی علمی تحقیقاتوں سے تائید حاصل کرتیں، مگر آپ نے ایسی ٹیشن کے ذریعے حکومت کی جبری قوت کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ اس ایسی ٹیشن کی سربراہی ایک ایسی شخصیت نے کی جو ایک بڑے صاحب کی بیگم تھیں۔ اگر ایسا واقعہ دورِ فاروقی میں ہوتا تو خلیفہ ثانیؓ اپنی اہلیہ کے خلاف کارروائی کرتے اور اسے حوالہ عدالت کر کے سزا دلواتے۔

بڑے بڑے سرکاری عہدہ داروں کی بیگمات اور ان کی تنظیم نے ابھی تک تو کوئی ایک مثال بھی ایسی قائم نہیں کی کہ وہ معاشرے میں کسی خلاف اسلام سرگرمی کو دیکھ کر ایسی ٹیشن کرتیں۔ افسوس ہے کہ ہمارے ان کی اعلیٰ اخواتین تو اگس مقام تک بھی نہیں پہنچیں جہاں تک انڈیا کی پھیلا میں جانچیں انہوں نے بانڈوں میں عورتوں کی عریاں تصاویر اور فحاشی کے خلاف دلی میں ایسی ٹیشن کیا اور یہ صورت چند سال پہلے بھی وہاں عمل میں آچکی ہے۔ اگر ہمارے ان کی بیگمات نے بھی کبھی ایسا کوئی ایسی ٹیشن کیا ہوتا تو ان کا مقام اعتبار بہتر ہوتا۔ اسلام سے آزاد ہو کر چلنے کے لیے تو اسلام کے

نام پر آواز اٹھائی جاتی ہے، مگر اسلام کے احکام و حدود کی پابندی قبول کرنے کے لیے کوئی آواز ماڈرن حلقوں سے بلند نہیں ہوتی۔ یعنی آپ جو کچھ چاہیں اُس کی منظوری تو اسلام (نمودار) بصدا دیتا رہے، لیکن اسلام جو تقاضے کرتا ہو، اُن کی آپ کچھ پروا نہ کریں، حالانکہ اسلام تو نام ہی اس کا ہے کہ خدا اور رسولؐ کے ارشادات کے سامنے سر تسلیم بغیر کسی تحفظ کے خم کر دیا جائے۔

ایک اہم معاملہ اور بھی ایسا ہے جو بہت غور و توجہ چاہتا ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں، خصوصاً مسلم معاشروں میں متحدانہ افکار و معاشرت کے خلاف اسلامی نظریہ و نظام کی علمبردار قوتوں کی تند و تیز کش مکش شروع ہو چکی ہے۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ وہ آہستہ آہستہ فیصلہ کن مراحل کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کشمکش میں اسلام کی تمام دشمن اور مخالف قوتیں — وہ بڑی عالمی قوتیں ہوں، یا یہود و ہندو کی قوتیں — پورا زور لگا رہی ہیں کہ مسلمان موجودہ تہذیبی سامراج کے چنگل سے نہ نکل سکیں۔ اس لڑائی میں متحدانہ عالمی تہذیب کی پشتپان قوتیں افکار، علوم، تصانیف، صحافت، عالمی نیوز ایجنسیوں کے نظام، فلم، تصاویر، ٹیلی وژن، ریڈیو، ثقافتی وفد، ایڈ اور پروپیگنڈے کے پورے وسائل کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے مسلم معاشروں کے اندر جن عناصر کو مضبوط رکھنا چاہتی ہیں، اُن میں سے ایک مسلمانوں میں گھسلا ہلا لادینیّت پسند طبقہ ہے اور دوسرے ماڈرن بیگیات۔

لادینیّت پسند طبقے کا ایک حصہ حکومت و اختیار کی قوتوں اور انتظامی عہدوں کی قوت کو کام میں لاکر اور دوسرا حصہ ادب و صحافت اور دیگر ذرائع ابلاغ میں نفوذ کر کے اسلام کی پیش قدمی کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہا ہے۔ اسی مزاحم قوت کی وجہ سے اقل تو اسلام کا نام گونجتے رہتے پر بھی کام کچھ نہیں ہو سکتا، کچھ کام ہو بھی تو اس میں ہزار رخنے پیدا ہوتے ہیں، یا بھر جو قدم اسلام کی راہ پر اٹھتا ہے اس کے سامنے ہی سامنے دوسرے کئی قدم اسلام کے خلاف عملاً اٹھ جاتے ہیں۔ نتیجہ تضاد ہے۔ اس طرح عوام کے اسلامی جذبات کو تضاد کی چکی میں میسا جاسکتا ہے اور میسا